شرح مثنوی مولانائے رومؒ

(مدیر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حکایت عاشق شدن بادشاہے بر کنیزے و خریدن بادشاہ آں کنیزک را و رنجور شدن آں کنیزک و تدبیر و معالجۂ بادشاہ بہر کنیزک

تمہید مثنوی کی تمہید میں مولانا نے یہ فرمایا ہے۔ کہ اگر تم انوارِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو۔ تو اپنے قلب کے زنگار کو دور کرو۔ اس حکایت کے پردہ میں مولانا نے زنگ دور کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔

حکایت مذکورۂ ذیل میں بادشاہ سے روح مراد ہے اور کنیز سے نفس امارہ، اور زرگر سے لذاتِ دنیوی اطباء سے اولیائے ناقص اور طبیب حاذق سے مرشدِ کامل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم غافل لوگوں کی روح نفس امارہ پر عاشق ہے اور نفس امارہ لذاتِ دنیوی پر عاشق ہے اولیائے ناقص سے نفس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ ہاں مرشدِ کامل امراضِ قلبی کا علاج کر سکتا ہے۔ یعنی وہ دنیا کی محبت دل سے نکال سکتا ہے۔ اور انسان کو خدا سے ملا سکتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر دل سے زنگ دور کرنا چاہتے ہو۔ تو مرشد کامل کی طرف رجوع کرو۔ مولانا نے مثنوی میں ان ہی دو باتوں پر زور دیا ہے۔

(ا) انسان کا مقصدِ حیات یہ ہے کہ اللہ سے محبت کرے۔

(ب) اور محبت کا طریقہ یہ ہے کہ مرشدِ کامل کی صحبت اختیار کرے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم حکایت کے مطالبِ عالیہ کا خلاصہ بیان کرتے ہیں، اس کے بعد حکایت شروع کریں گے

۱۔ انسان کی عاجزی اور بیچارگی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ، اسبابِ ظاہری پر اعتماد کرنا مناسب نہیں۔

۲۔ عام انسانوں کی زندگی خیال پر موقوف ہے۔

۳۔ انسان کو ہمیشہ اللہ سے توفیقِ ادب طلب کرنی چاہیے۔

۴۔ عشق کی کیفیت اور اس کے آثار و لوازم کا بیان۔

۵۔ حقیقت کو دلیل یا برہان کی ضرورت نہیں ہے۔

۶۔ علاماتِ ظاہری پر اکتفا کرنا کافی نہیں ہے۔

(۱) بشنوید اے دوستاں ایں داستاں — در حقیقت نقدِ حالِ ماست آں

اے دوستو! یہ داستان سنو کیونکہ یہ ہماری حالت کے عین مطابق ہے، وجہ مطابقت تمہید میں بیان ہو چکی ہے

(۲) نقدِ حالِ خویش را گر پے بریم — ہم ز دُنیا ہم ز عقبیٰ بر خوریم

اگر ہم اپنی حالت پر غور کر کے اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں کہ ہم دراصل نفس امارہ کے غلام ہیں، تو دُنیا اور عقبیٰ دونوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

(۳) بود شاہے در زمانے پیش ازیں — مالکِ دُنیا بودش و ہم ملکِ دیں

گذشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا جو دنیاوی بادشاہت کے علاوہ دیندار بھی تھا۔

(۴) اتفاقاً شاہ روزے شد سوار — با خواصِ خویش از بہرِ شکار

ایک دن وہ بادشاہ اپنے مصاحبوں کو ساتھ لے کر سیر و شکار کے لئے نکلا،

(۵) بہرِ صیدے می شد او بر کوہ و دشت — ناگہاں در دامِ عشق او صید گشت

وہ شکار کی تلاش میں کوہ و صحرا میں پھر رہا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ خود عشق کا شکار ہو گیا۔

(۶) یک کنیزک دید او در شاہراہ — شُد غلامِ آں کنیزک جانِ شاہ

اُس نے راستہ میں ایک کنیز دیکھی اور اسے دیکھ کر وہ اُس پر عاشق ہو گیا۔

(۷) مُرغِ جانش در قفس چوں در طپید — داد مال و آں کنیزک را خرید

چونکہ وہ اسے دیکھ کر بیقرار ہو گیا۔ اس لئے اُس نے اس کنیز کو خرید لیا۔

(۸) چوں خرید او را و بر خوردار شُد — آں کنیزک از قضا بیمار شُد

جب اُس نے اُس کو خرید لیا۔ اور اس کی مراد حاصل ہو گئی تو حکمِ خدا سے وہ کنیز بیمار ہو گئی،

(۹) آں یکے خر داشت پالانش نبود — یافت پالاں گرگ خر را در ربود

(۱۰) کوزہ بودش آب می نامد بدست — آب را چوں یافت خود کوزہ شکست

اِن دو شعروں میں مولانا نے بادشاہ کی حالت دو مثالوں سے ظاہر کی ہے کہ ایک آدمی کے پاس گدھا تو تھا۔ لیکن پالان نہ تھا۔ جب پالان دستیاب ہوا تو بھیڑیا اس گدھے کو لے گیا۔ یا یوں سمجھو کہ ایک شخص کے پاس پیالہ تو تھا۔ لیکن پانی نہ تھا جب پانی دستیاب ہوا تو پیالہ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح پہلے تو وہ بادشاہ کنیز سے محروم تھا۔ جب کنیز ملی تو بیمار ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں کسی شخص کی ساری آرزوئیں پوری نہیں ہو سکتیں، اس لئے عاقل کو لازم ہے کہ دُنیاوی لذتوں کو مقصودِ حیات نہ بنائے۔ علاوہ بریں اس دُنیا کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تو اس کے ساتھ رنج کا پہلو بھی پیدا ہو جاتا ہے

(۱۱) شہ طبیباں جمع کرد از چپ و راست — گفت جانِ ہر دو در دستِ شماست

بادشاہ نے تمام طبیبوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم دونوں کی جان بس تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔ اگر تم کنیز کا علاج نہ کرو گے تو وہ مر جائے گی۔ اور اس کی وفات کے بعد میرا جینا بھی ناممکن ہے۔

(۱۲) جان من سہل است جانِ جانم اوست دردمند و خستہ ام درمانم اوست

یعنی میری جان تو کچھ بھی نہیں۔ دراصل میری جان کی جان وہی ہے۔ گویا میں بیمار اور مریض ہوں اور وہ میرا علاج ہے۔

(۱۳) ہر کہ درماں کرد مر جانِ مرا بُرد گنج و دُرّ و مرجانِ مرا

مصرع اوّل میں "مرجان" میں 'مر' کلمۂ زائدہ ہے، اور خصوصیت کا فائدہ دے رہا ہے، مصرع ثانی میں 'مرجان' ایک ایک لفظ ہے بمعنی مونگا۔ مطلب یہ ہے کہ بادشاہ نے اعلان کیا۔ کہ جو شخص میری جان یعنی محبوبہ کا علاج کرے گا۔ یعنی اس کو اچھا کر دے گا۔ تو میں اُسے خزانہ اور موتی اور مونگا یعنی بے شمار دولت انعام میں دوں گا۔

(۱۴) جُملہ گفتندش کہ جان بازی کنیم فہم گرد آریم و انبازی کنیم

یہ سُن کر تمام اطباء نے کہا کہ ہم سب اس کے علاج میں اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ اور بہت غور و فکر سے کام لیں گے اور باہمی مشورہ سے معالجہ کریں گے۔ (انبازی بمعنی شرکت یا موافقتِ باہمی)

(۱۵) ہر یکے از ما مسیحِ عالمے ست ہر الم را در کفِ ما مرہمے ست

ہم میں سے ہر ایک مسیحِ عالم ہے، یعنی بیماروں کو اچھا کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتا ہے۔ اور ہمارے پاس ہر مرض کا علاج موجود ہے

(۱۶) گر خدا خواہد نگفتند از بطر پس خدا بنمودشان عجزِ بشر

ان طبیبوں نے غرور کی وجہ سے انشاء اللہ (اگر خدا چاہے) نہ کہا۔ اس لئے خُدا نے ان کو دکھایا۔ کہ انسان کس قدر عاجز اور درماندہ ہے

(۱۷) ترکِ استثناء مرادم قسوتے است نے ہمیں گفتن کہ عارض حالتے است

استثناء سے مراد ہے انشاء اللہ کہنا، قسوت بمعنی سنگدلی۔ فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ کہنا ترک کر دینے سے دراصل میری مُراد یہ ہے کہ انسان کا دِل اس قدر سخت ہو جائے کہ اُسے اللہ پر اعتماد نہ رہے، یہی ہے دراصل انشاء اللہ کہنا ترک کر دینا۔ ورنہ محض زبان سے کہہ دینا۔ جبکہ دِل میں اللہ کی کارفرمائی پر اعتقاد نہ ہو۔ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ تو ایک عارضی حالت ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۱۸) اے بسا ناوردہ استثناء بگفت جانِ او با جانِ استثناء ست جفت

چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو زبان سے تو انشاء اللہ نہیں کہتے۔ مگر اِن کا دِل ہر وقت ہر معاملہ میں "انشاء اللہ" کہتا رہتا ہے یعنی وہ ہر وقت اللہ ہی کو مؤثر فی الکائنات یقین کرتے ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا نے اس نکتہ کو واضح کیا ہے کہ دراصل اعتقادِ قلبی شرطِ ایمان ہے۔ اگر دِل میں خدا کی قدرت پر یقین نہ ہو (یعنی جب تک خدا نہ چاہے کچھ نہیں ہو سکتا) تو محض زبان سے انشاء اللہ کہہ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

(۱۹) ہر چہ کردند از علاج و از دوا گشت رنج افزون و حاجت ناروا

طبیبوں نے جس قدر توجہ سے اُس کنیز کا علاج کیا۔ اسی قدر اُس کی بیماری میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور چند دن کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ

(۲۰) شربت و ادویہ و اسبابِ او از طبیباں بُرد یکسر آب رو

بیماری کو دور کرنے کیلئے جس قدر دوائیں دی گئیں انہوں نے سارے طبیبوں کو بے آبرو (شرمندہ) کر دیا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

(باقی آئندہ)